شرائع سابقہ میں حالات وزمانہ کی رعایت

سعید احمد*

حافظ عرفان اللہ**

Abstract:

Allah has created human being and gave him some commands to act upon those because of that he can become obedient .If we see the human necessities in depth we can notice that these necessities change with the change of time and circumstances. All commands of Allah almighty are compatible with human nature and inevitable compulsion not matched with Allah's will. That is why due to change of time and circumstances commands of shariah must be changed. Therefore this strategy of changing in command starts from Adam (Father of all human being) and continuing up till now. In the era of Adam the marriage between brother and sister was permitted but after changing of circumstances this law become changed. During the storm of Prophet Nooh (A.s) the flesh of dead animals was permitted to eat but afterward it was banned. Shariah of Prophet Yaqoob(A.S) permitted to the real sisters can become the wives of a same man but afterward it was prohibited. Law about most of the things in Prophet Mosa's shariah was strict one but this strictness was uplifted in the Shariah of Prophet Christ. Due to changing in time and circumstances changing arises in these topics. Therefore, by this study it become quite clear that by the changing in time and circumstances law must be changed. So binding and implementation lies to whom without any failure must consider the problem of current era and should presents their solutions in shariah perspective.

اللہ جل مجدہ نے بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔انہیں ایسے احکام عطا فرمائے جن پر عمل پیرا ہو نافلاح دارین کا موجب بنا۔عرفانِ ذات اور قربِ خداوندی کا حصول وجہ تخلیق انسان ٹھہرا،اس مقصد زیست کا حصول اسی وقت ممکن ہو سکتا تھا جب اس کے لیے راہیں متعین کر دی جاتیں، جن پر چل کر منزل مراد تک پہنچنا آسان ہو جاتا۔چنانچہ ہر نبی کو احکام عطا فرمائے گئے۔اور ان میں انسانی طبائع اور احوال زمانہ کو پیش نظر رکھا گیا۔کبھی بظاہر سختی اور کبھی نرمی برتی گئی تاکہ معرفت ربانی و رضائے خداوندی جیسے مقاصد آسانی سے حاصل ہو سکیں۔حالات و زمانہ کی رعایت ،ایک ایسی حکمتِ خداوندی ہے۔جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک کار فرما دیکھائی دیتی ہے اور بعد میں بھی فقہاء نے احکام کی تشریح و توضیح میں اس کو ملحوظ خاطر رکھا۔اسی بناء پر جس طرح شریعت محمدیہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام میں تنسیخ احکام کا سلسلہ نظر آتا ہے،اسی طرح

* اسسٹنٹ پروفیسر،انسٹیٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز پنجاب یونیورسٹی لاہور

** پی۔ایچ۔ڈی سکالر لاہور گیریژن یونیورسٹی لاہور

سابقہ شرائع میں بھی رہا۔ایک شریعت میں مختلف احکام تبدیل ہوتے رہے ،اور بعد میں آنے والی شریعتیں ماقبل کی بھی تنسیخ کرتی رہیں۔ ''نسخ کا مطلب ہی یہ ہے کہ بندوں کے رخ کو کسی حکم سے موڑ دینا بایں طور کہ پہلے وہ حلال تھا پھر حرام ہوگیا یا پہلے حرام تھا پھر حلال ہوگیا،پہلے وہ مطلق تھا پھر اسے مقید کردیا گیا یا پہلے مقید تھا پھر اسے مطلق چھوڑ دیا گیا،پہلے وہ مباح تھا پھر عمل سے روک دیا گیا یا پھر پہلے عمل کرنا ممنوع تھا پھر اسے مباح قرار دے دیا گیا۔ ان سب چیزوں میں بندوں کی اصلاح کو ملحوظ رکھا گیا۔

جس طرح ہفتہ کے دن کی حرمت،ایک خاص قوم پر ایک وقت معین میں رہی اور پھر دوسرے لوگوں پر ہفتہ کے دن میں کام کرنا مباح قرار دے دیا گیا''۔ ([1])

حضرت آدم علیہ السلام سے سیدنا عیسی علیہ السلام تک طویل زمانہ ہے اور ہر زمانہ کے اپنے تقاضے اور ضروریات رہیں،علامہ اندلسی اس زمانہ کی طوالت یوں ذکر فرماتے ہیں:

''ذکرالمؤرخون ان بین ابرا ہیم وموسی الف سنة وبینه وبین عیسی الفان وروی ابو صالح ابن عباس انه کان بین ابراہیم و موسی خمسماءة سنة وخمس وسبعون سنة وبین موسی وعیسی الف سنة وستماءة واثنان و ثلاثون سنة.وقال ابن اسحاق کان بین ابراہیم و موسی خمسماءةسنة وخمس وستون سنة وبین موسی وعیسی الف وتسعماءة سنة وخمس وعشرون'' [(2)]

''مؤرخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم وموسی علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا وقفہ ہے اور حضرت موسی اور حضرت عیسی کے درمیان دو ہزار سال کا ،ابو صالح نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسی کے درمیان پانچ سو پچھتّر سال ہیں،اور حضرت موسی اور حضرت عیسی کے درمیان ایک ہزار چھ سو بتیس سال ہیں، جبکہ ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسی کے درمیان پانچ سو پینسٹھ سال، جبکہ حضرت موسی اور عیسی کے درمیان ایک ہزار نو سو پچیس سال ہیں''۔

اسی طرح علامہ سمرقندی نے لکھا ہے:

''حضرت نوح اور آدم کے درمیان دس آباء تھے اور ادریس نوح علیہ السلام کے والد کے دادا تھے ۔حضرت آدم اور نوح کے درمیان کوئی نبی مرسل نہیں آیا۔حضرت ادریس نبی تو تھے لیکن مخلوق کی دعوت پر مامور نہیں تھے۔۔۔۔حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان ایک ہزار کا سال کا فاصلہ ہے'' ([3])

مذکورہ حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک رسول سے دوسرے رسول کے درمیان مدت دراز حائل رہی۔ظاہر ہے کہ حالات وزمانہ کے بدلنے سے انسانی طبائع وکیفیات بھی بدلتی رہیں۔چنانچہ اس ضرورت کے پیش نظر احکام کی تبدیلی بھی دیکھائی دی۔فقہاء کرام کی ایک تعداد نے حالات و زمانہ کے تجدد کو احکام میں تبدیلی کا پیش خیمہ قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر احمد کردی رقمطراز ہیں:

أن الشرائع إنما جاءت لتيسير مصالح الدين والدنيا معا، ومصالح الدين والدنيا متغيرة متجددة بتجدد العصور والأزمان، فما كان شريعة صالحة في الأزمنة الغابرة لا يمكن الجزم بأنه شريعة صالحة في زماننا،[4]

شرائع دین اور دنیا دونوں کی مصلحتوں کی سہولت کو پیش نظر رکھتے ہوئے آتی ہے جبکہ دین و دنیا کی مصلحتیں اوقات اور زمانہ کے تبدیل ہونے سے تبدیل ہوتی رہتیں ہیں۔جو شرعی احکام زمانہ ماضی میں نافذ رہے ہوں ضروری نہیں کہ وہ ہمارے زمانہ کے بھی موافق ہو۔

ذیل میں شرائع سابقہ میں ہونے والی احکام کی تبدیلی کا جائزہ لیتے ہیں:

شریعت آدم علیہ السلام :

(۱) حضرت سیدہ حوا علیہا السلام، سیدنا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئی تھیں چنانچہ وہ آدم کا جزء ٹھہریں۔ اور جزء سے استمتاع ہماری اور ماقبل شرائع میں بھی جائز نہیں جیسے کہ بیٹی، پوتی وغیرہ سے نکاح درست نہیں۔ لیکن نسل انسانی کو آگے چلانے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حوا سے کیا گیا جس سے بنی نوع انسان کا سلسلہ رواں ہوا۔اگر ان حالات میں ایسا نہ کیا جاتا تو یہ مقصد حاصل نہ ہوتا۔علامہ بزدوی لکھتے ہیں:

"كذا الاستمتاع بالجزء كان حلالا لآدم عليه السلام فان زوجته حواء كانت مخلوقة من ضلعه على ما نطق به الخبر" ([5])

(۲) اسی طرح نسل انسانی کی ضرورت کی بناء پر حضرت آدم کی اولاد میں بہنوں اور بھائیوں کی شادی کو جائز قرار دیا گیا۔صورت حال یہ تھی کہ ایک ہی بطن سے ایک بیٹا اور بیٹی پیدا ہوتے۔اسی طرح دوسرے بطن سے بیٹا اور بیٹی پیدا ہوتے۔چنانچہ ایک ہی وقت میں پیدا ہونے والے بہن بھائیوں کا نکاح حرام تھا جبکہ دوسرے بطن سے پیدا ہونے والے بہن بھائیوں سے نکاح جائز وحلال تھا۔علامہ طبری نقل کرتے ہیں:

"عن ابن مسعود عن ناس من اصحاب النبی ﷺ و كان لا يو لد لآدم مولود الا ولد معه جارية فكان يزوج غلام هذا البطن جارية هذا البطن الاخر ويزوج جارية هذا البطن غلام هذا البطن الاخر" ([6])

اگر جزء سے استمتاع اور بھائی بہن کے باہمی نکاح کو جائز نہ قرار دیا جاتا تو نسل انسانی کا سلسلہ کیونکر چلتا اور اگر چل پڑتا تو حضرت آدم اور اولاد آدم سمیت برائی کا ارتکاب کرنے والے اور حدود اللہ کی پامالی کرنے والے ٹھہرتے حالانکہ ایسانہ تھا۔

اس حکم کی تبدیلی کو تورات یوں بیان کرتی ہے کہ :

''تو اپنی بہن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ اور کہیں بے پردہ نہ کرنا''([7])

شریعت نوح علیہ السلام

طوفان نوح میں چونکہ تمام جانور ہلاک کر دیے گئے تھے اس لیے جانوروں کی کمی ہو گئی اور صرف وہی جانور موجود تھے جو کشتی نوح میں سوار تھے۔ لہٰذا ان احوال کے پیش نظر حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی امت پر تمام جانور حلال کر دیے گئے تھے۔ چنانچہ ابن کثیر نقل کرتے ہیں

''قد نص فی کتابهم التوراة ان نوحاعلیه السلام لما خرج من السفینة اباح الله له جمیع دواب الارض یاکل منها '' ([8])

''توراۃ میں یہ نص ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے باہر تشریف لائے تو اللہ تعالی نے ان کے لیے تمام حیوانات کو حلال قرار دیا بعد میں احوال تبدیل ہوئے اور کچھ جانور حرام قرار دیے گئے اور باقی اپنی حلت پر برقرار رہے''۔

شریعت ابراہیم علیہ السلام

(۱) اللہ جل مجدہ کی طرف سے بذریعہ خواب حضرت ابراہیم کو اپنا بیٹا قربان کرنے کا حکم ہوا، اور آپ نے اس پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے بیٹے سے استفسار کیا تو وہ بھی تسلیم و رضا کے پیکر نظر آئے، مگر جب قربان کرنے کے لیے لٹایا اور چھری چلانی شروع کی تو یہ حکم تبدیل ہوا اور اس کے بدلے میں ایک جانور قربانی کے لیے عطا ہوا، گویا مقصود امتحان تھا۔ کامیابی ہوئی تو حکم تبدیل ہو گیا۔ قرآن اس واقعہ کو یوں بیان فرماتا ہے :

﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ ([9])

''پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا۔اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے،آپ نے فرمایا اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتا تیری کیا رائے ہے۔عرض کیا میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا،اللہ نے چاہاتو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔پس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو) بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو۔ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو۔بے شک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی اور ہم نے بچالیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر''۔

(۲) شریعت ابراہیم میں آزاد عورت کے ہوتے ہوئے لونڈی سے نکاح کو مباح قرار دیا گیا اور عملی صورت یہ سامنے آئی کہ حضرت ابراہیم نے سیدہ سارہ کے ہوتے ہوئے سیدہ ھاجرہ سے نکاح کیا۔اور پھر بعد میں اسے ممنوع قرار دیا گیا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

''وکان التسری علی الزوجة مباحا فی شریعة ابراہیم و قد فعله الخلیل ابراہیم فی ھاجرة لما تسری بها علی سارة وقد حرم مثل ھذافی التوراة علیھم'' ([10])

شریعت یعقوب علیہ السلام

(۱) سیدنا یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا درست تھا چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے ''لیّ'' (لیہ) جو یہودا کی والدہ تھیں اور '' راحیل ''جو حضرت یوسف کی والدہ تھیں اور آپس میں سگی بہنیں تھیں ان سے بیک وقت نکاح کر رکھا تھا۔چنانچہ علامہ آلوسی ''وان تجمعوا بین الاختین ،، کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وقال عطاء والسدی: معناہ الاماکان من یعقوب علیه السلام اذجمع بین الاختین لیّا ام یھودا و راحیل ام یوسف علیه السلام''([11])

صاحبِ سبل الھدی نے راحیل کی بجائے راجیل نقل کیا ہے لکھتے ہیں:

''لان الجمع بین الاختین قد کان مباحا ایضاً فی شرع من قبلنا وقد جمع علیه السلام بین راجیل ای بالجیم واختھا لیّا'' ([12])

''کیوں کہ دو بہنوں کو (ایک نکاح میں) جمع کرنا یہ بھی ہم سے پہلی شریعتوں میں مباح تھا۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے راجیل (جیم کے ساتھ) اور ان کی بہن لیّ کو (ایک نکاح میں) جمع کر رکھا تھا''۔

(۲) شریعت یعقوب علیہ السلام میں ایک اور مثال ملتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسائل کے استنباط و حل میں حالات واقعات کو انبیاء کرام خاص اہمیت دیا کرتے تھے۔چنانچہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے

بیان کیا کہ حضرت یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور دلیل میں سیدنا یوسف کا خون آلودہ کرتہ پیش کیا تو حضرت یعقوب نے انکار کر دیا۔ باپ بیٹوں کے درمیان مکالمہ کچھ یوں ہوا:

﴿قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ ([13])

(آکر) کہا باوا جی! ہم ذرا گئے کہ دوڑ لگائیں اور ہم چھوڑ گئے یوسف کو اپنے سامان کے پاس (ہائے افسوس) کھا گیا اس کو بھڑیا اور آپ نہیں مانیں گے ہماری بات اگرچہ ہم سچے ہیں۔ اور لے آئے اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر، آپ نے فرمایا (غلط کہتے ہو یوں نہیں) بلکہ آراستہ کر دیکھا یا تمہیں تمہارے نفسوں نے (اس سنگین) جرم کو (اس جانکاہ حادثہ پر) صبر جمیل کروں گا اللہ تعالی سے مدد مانگوں گا اس پر جو تم بیان کرتے ہو"۔

اس کی تفسیر میں علامہ ابن حبان لکھتے ہیں :

"روی انهم اخذوا سخلة او جد يا فذبحو و لطخوا قميص يو سف بد مه وقالوا ليعقوب هذا قميص يوسف فاخذ ه و لطخ به وجهه و بكى ثم تامله فلم يرخرقا ولا ارتاب فاستدل بذالک على خلاف ما زعموا وقال لهم متى كان الذئب حليما ياكل يوسف ولا يخرق قميصه" ([14])

مروی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بکری کا بچہ پکڑا، اسے ذبح کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو اس کے خون سے آلودہ کیا اور (آکر) حضرت یعقوب علیہ السلام کو کہا "کہ یہ یوسف کی قمیص ہے"۔ آپ علیہ السلام نے اس قمیص کو لیا اور اپنے چہرے پر ملنا شروع کیا اور رونے لگ پڑے۔ پھر ذرا دیکھا کہ اس میں کوئی پھٹن نہیں ہے اور نہ کوئی سوراخ تو آپ نے اس سے ان کے گمان کے خلاف استدلال فرمایا اور فرمایا کہ " بھیڑیا کب سے اتنا برد بار ہو گیا کہ یو سف کو تو کھا گیا مگر اس کی قمیص کو نہیں پھاڑا"۔ حضرت یو سف علیہ السلام کے کرتے کے صحیح و سلامت ہونے سے یعقوب علیہ السلام نے یہ استدلال فرمایا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں اور دیکھ کر یہ فرمانا "کہ بھیڑیا کب سے اتنا برد بار ہو گیا کہ یو سف کو تو کھا گیا مگر اس کی قمیص کو نہیں پھاڑا"۔ ظاہری حالت کی بناء پر تھا۔ چنانچہ حضرت یعقوب کا ان سب کی گواہی کو ترک کرنا اور صورت حال سے استدلال کرنا بتاتا ہے کہ حالات کی اپنی حیثیت ہوتی ہے جن سے دیگر معاملات و مسائل اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

علامہ ابن عربی " مسئلۃ العمل بالعرف والعادۃ" کے تحت لکھتے ہیں :

"وقد استدل یعقوب بالعلامة فروی العلماء ان الاخوة لما ادعوا اکل الذئب له قال ارونی القمیص فلما راه سلیما قال لقد کان هذا الذئب حلیما هکذا فاطردت العادة والعلامة" (15)

"حضرت یعقوب علیہ السلام نے علامت سے استدلال فرمایا لہٰذا علماء روایت کرتے ہیں جب بھائیوں نے دعوی کیا کہ حضرت یوسف کو بھیڑیے نے کھالیا ہے تب حضرت یعقوب نے فرمایا" مجھے قمیص دیکھاؤ" جب انہوں نے قمیص کو صحیح وسالم دیکھا تو فرمایا" یہ بھیڑیا تو بڑا حلیم الطبع تھا" اسی طرح عادت اور علامت (مسائل کے استنباط میں) جاری ہوتی ہے"۔

(۳) دور یعقوبی میں چور کی سزا یہ ہوا کرتی تھی کہ اسے غلام بنالیا جاتا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھنا چاہا تو یہ تدبیر کی کہ اپنا شاہی پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھوادیا تاکہ جب سامان کی تلاشی کے دوران یہ پیالہ ملے تو بنیامین کو ادھر رکھا جاسکے کیونکہ اس زمانہ میں چور کی یہی سزا تھی:

﴿قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾ (16)

"انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ سامان میں یہ پیالہ دستیاب ہو تو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے، اسی طرح ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو"۔

علامہ غلام رسول سعیدی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

"بادشاہ کا قانون یہ تھا کہ چور کو پکڑ کر مارا جائے اور اس سے تاوان وصول کیا جائے، اس قانون کے اعتبار سے حضرت یوسف علیہ السلام بنیامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہ قانون تھا کہ چور کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے۔اس لیے اللہ تعالی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس تدبیر کی طرف متوجہ کیا کہ وہ بھائیوں سے پوچھیں کہ جس کے سامان سے وہ پیالہ نکل آئے، اس کی کیا سزا ہوگی اور جب انہوں نے یہ اقرار لیا کہ اس کہ غلام بنا کر رکھ لیا جائے گا، تو وہ اپنے اقرار کی بناء پر ماخوذ ہوں گے"۔ (17)

مذکورہ عبارت بتاتی ہے کہ یہ قانون شریعت یعقوب میں تھا جبکہ باقی ممالک میں اس کے علاوہ قوانین تھے۔دورِ سیدنا یعقوب سے یہ سلسلہ حضرت موسی کی شریعت تک چلتا رہا اور پھر منسوخ کر دیا گیا۔جیسا کہ علامہ آلوسی بیان فرماتے ہیں:

"انه کان جزاء السارق فی شرع من قبلنا استرقاقه وقیل کان ذلک الی زمن موسی علیه السلام و نسخ" (18)

ہم سے پہلی شریعتوں میں چور کو غلام بنالینا ہی اس کی سزا تھی اور یہ قول بھی ہے کہ یہ قانون حضرت موسیٰ علیہ السلام تک چلتا رہا۔ پھر منسوخ ہو گیا۔

علامہ ابن کثیر نے اس قانون کے شریعت ابراہیم میں بھی ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

"هكذا كا نت شريعة ابراهيم ان السارق يدفع الى المسروق منه هذا هو الذى اراد يوسف عليه السلام " (19)

(۴) سورۃ یوسف میں حالات و کیفیت کی رعایت کی ایک اور دلیل ملتی ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر حرف آیا اور عزیز مصر کی بیوی نے الزام لگایا، تو اس وقت فیصلہ قمیص کی صورت حال دیکھ کر کیا گیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ فَلَمَّا رَأَى قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ﴾ (20)

"آپ نے (جوابا) فرمایا (میں نے نہیں بلکہ) اس نے بہلانا چاہا ہے مجھے کہ مطلب برآری کرے اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاندان سے تھا (کہ دیکھو) اگر یوسف کی قمیض آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے اور اگر اس کی قمیض پھٹی ہوئی ہو پیچھے سے تو پھر اس نے جھوٹ بولا اور یوسف سچوں میں سے ہیں۔ پس جب عزیز نے دیکھا پیراہن یوسف کو کہ پھٹا ہوا ہے پیچھے سے تو بول اٹھا یہ سب عورتوں کا فریب ہے بیشک تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے"۔

مذکورہ مسئلہ میں احوال وقرائن کو ملحوظ خاطر رکھا گیا اور فیصلہ کرنے والے نے قرائن کو دیکھ کر ہی فیصلہ کیا۔ اس نے نہ تو عزیز مصر کی بیوی کے قول کا اعتبار کیا اور نہ کسی اور کی بات سنی۔

علامہ فخر الدین رازی نے پانچ علامات کا ذکر کیا ہے جن کی بناء پر حضرت یوسف کی پاکدامنی ظاہر ہو رہی تھی :

"حضرت یوسف علیہ السلام کی سچائی پر دلالت کرنے والی بہت سی علامات ہیں :۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام غلام تھے اور غلام اس حد تک نہیں جا سکتا۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام نکلنے کے لیے تیزی سے بھاگے۔ جبکہ عورت کا طلبگار ایسے نہیں بھاگتا۔

(۳) زلیخا نے خوب بناؤ سنگھار کیا ہوا تھا جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام پر زیب وزینت کے کوئی آثار نہیں تھے۔

(۴) حضرت یوسف کا بے داغ ماضی ان کی بے گناہی کا ثبوت تھا۔

(۵) زلیخا نے صراحت کے ساتھ بات نہ کی بلکہ مجمل اور مبہم کلام ذکر کیا جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے صاف اور سیدھی بات کی" ۔ ([21])

اس مسئلہ میں بھی احوال و قرائن کا اعتبار کیا جانا بتاتا ہے کہ حالات اور زمانہ کو ایک خاص اہمیت دی جاتی رہی اور معاملات و مسائل کے حل میں ان کا خصوصی خیال رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن عربی لکھتے ہیں:

" قال علماء نا فی هذا دلیل علی العمل بالعرف والعادة لما ذکر من اخذ القمیص مقبلا و مدبرا وما دل علیه الاقبال من دعواها والادبار من صدق یوسف ۔ " ([22])

ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ اس میں عرف و عادت پر عمل کی دلیل موجود ہے کہ جب یہ ذکر ہوا کہ قمیص کو آگے اور پیچھے سے دیکھو۔ قمیص کے اگلے حصہ کی پھٹن زلیخا کے دعوی کی دلیل ہو گی اور پیچھے سے پھٹن حضرت یوسف کی سچائی کی دلیل ہو گی۔

(۵) ذخیرہ اندوزی کو کبھی بھی درست نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ ذخیرہ اندوزی کو معاشرتی برائی قرار دیا جاتا تھا اور ایسا کرنے والوں کو معاشرہ میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اور اب بھی ایسا ہی ہے لیکن یہ قطعی بات ہے کہ اس کا تعلق بھی حالات و زمانہ سے ہے۔ بعض اوقات ایسی مجبوری بن جاتی ہے کہ ایسا کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط کی وجہ سے غلہ ذخیرہ کیا قرآن مجید میں ہے :۔

﴿قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ﴾ ([23])

"آپ نے فرمایا کہ تم کاشت کرو گے سات سال تک حسب دستور، تو جو تم کاٹو گے اسے رہنے دو خوشوں میں مگر تھوڑا سا (ضرورت کے لیے نکال لو) جسے تم کھالو۔ پھر آئیں گے اس (خوشحالی) کے بعد سات (سال) بہت سخت، کھا جائیں گے جو ذخیرہ تم نے پہلے جمع کر رکھا ہو گا ان کے لیے مگر تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لو گے۔ پھر آئے گا اس عرصہ کے بعد ایک سال جس میں مینہ برسایا جائے گا لوگوں کے لیے اور اس سال وہ (پھلوں کا) رس نکالیں گے"۔

اس آیت مبارکہ میں لوگوں کے حالات اور مصلحت کو پیش نظر رکھنے اور معاملات کی پیش بینی کی طرف رہنمائی ملتی ہے چنانچہ علامہ قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"هذه الآیة اصل فی القول بالمصالح الشرعیة التی هی حفظ الادیان والنفوس والعقول والانساب والاموال فکل ما تضمن تحصیل شی من هذه الامور فهو مصلحة وکل ما یفوت شیاء منها فهو مفسدة دفعه مصلحة ولاخلاف ان مقصود

الشرائع ارشاد الناس الی مصالحهم الدنيوية ليحصل لهم التمكن من معرفة الله تعالى و عبادته الموصلتين الى السعادة الاخروية ومراعا ة ذالک فضل من الله عزوجل ورحمة رحم بها عباده من غير وجوب عليه و لااستحقاق ،هذا مذهب كافة المحققين من اهل السنة اجمعين وبسطه فى اصول الفقه۔" [24]

"یہ آیت کریمہ مصالح شرعیہ یعنی حفظ الادیان ،حفظ النفوس ،حفظ العقول ،حفظ الانساب ،حفظ الاموال کے بارے میں اصل ہے۔ لہٰذا ہر وہ شے جو ان معاملات میں سے کسی کی ضامن ہو وہ مصلحت کہلائے گی۔اور ہر وہ چیز جو ان میں سے کسی کو ضائع کر دے وہ مفسد ہو گا،اسے دور کرنا مصلحت ہو گی ۔اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ شرائع کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی دنیوی مصلحتوں کی طرف راہنمائی کی جاسکے ،تاکہ ان کے لیے اللہ تعالی کی ایسی معرفت اور عبادت ممکن ہو سکے جس کے ذریعے وہ اخروی سعادت تک پہنچ جائیں۔ لہٰذا اس کا خیال رکھنا اللہ تعالی کا فضل اور رحمت ہے جو اس نے اپنے بندوں پر فرمائی۔ یہ نہ تو اس پر واجب ہے اور نہ ہی کسی کے لیے اس کا استحقاق ہے ،اہل سنت کے تمام محققین کا یہی مذہب ہے۔اس کی تفصیل اصول فقہ کی کتب میں ہے"۔

شریعت موسوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

بنی اسرائیل پر اللہ تعالی کے خصوصی انعامات تھے انہیں "فضلتكم على العالمين" کا تاج عطا فرمایا گیا،انہیں فرعون کے ظلم واستبداد سے رہائی دلائی، من وسلوی نازل فرمایا، پتھر سے ان کے لیے بارہ چشمے جاری فرمائے انہیں تورات عطا فرمائی،اور شریعت موسیٰ نے ماقبل شرائع کے بہت سے احکام منسوخ قرار دیے۔ چند ایک احکام ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

(ا) تمام جانوروں کی حلت کا تذکرہ شریعت نوح میں گزرا اور بنی اسرائیل کے لیے تمام طعام حلال ہونے کا قرآن نے یوں ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ﴾ [25]

"سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں۔ بنی اسرائیل کے لیے مگر وہ جسے حرام کیا اسرائیل نے اپنے آپ پر اس سے پہلے کہ نازل کی گئی تورات"۔

چنانچہ تورات نے آکر بہت سی اشیاء کو حرام قرار دیا:

"پھر خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا تم بنی اسرائیل سے کہو کہ زمین کے سب حیوانات میں سے جن جانوروں کو تم کھا سکتے ہو وہ یہ ہیں: جانوروں میں جنکے پاؤں الگ اور چِرے ہوئے ہیں اور وہ جگالی کرتے ہیں تم ان کو کھاؤ۔۔۔حیوانات اور پرندوں اور آبی جانوروں اور زمین پر سب رینگنے والے جانداروں کے بارے میں شرع یہی ہے تاکہ پاک اور ناپاک میں اور جو جانور کھائے جا سکتے ہیں اور جو نہیں کھائے جا سکتے ان کے درمیان امتیاز کیا جائے۔" (26)

(۲) شریعت یعقوب میں دو بہنوں کو ایک وقت نکاح میں جمع کرنا درست تھا،اسے بھی شریعت موسوی نے حرام قرار دے دیا۔کتاب الاحبار میں ہے :

"تو کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں یہ بڑی خباثت ہے۔" (27)

(۳) بنی اسرائیل پر اللہ رب العزت کی جانب سے لا تعداد نعمتیں اور بے شمار انعامات ہوئے لیکن اس کے باوجود ان کی نافرمانی بڑھتی چلی گئی۔چنانچہ ان کی نافرمانی اور شعائرِ خداوندی کی توہین کی بنا پر بہت ساری چیزیں ان پر حرام کر دی گئیں۔ارشاد ربانی ہے :

﴿فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ (28)

"سو بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے ہم نے حرام کر دیں ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے"۔

ان کے ظلم کی بنا پر حلال چیزیں بھی حرام فرما دی گئیں تاکہ انہیں عبرت اور نصیحت بنایا جا سکے۔یہاں پر بھی احوال و قرائن کی بنا پر احکام کو سخت کیا گیا ہے۔قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر ہے :۔

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾ (29)

"اور ان لوگوں پر جو یہودی بنے تھے،ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری سے ہم نے حرام کی ان پر دونوں (گائے بکری) کی چربی مگر جو اٹھا رکھی ان کی پشتوں یا آنتوں نے یا جو ملی ہوئی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے سزا دی تھی انہیں بسبب ان کی سرکشی کے اور یقیناً ہم سچے ہیں"۔

(۴) جس طرح حالات وزمانہ کی وجہ سے احکام میں نرمی کر دی جاتی ہے۔اسی طرح بعض اوقات سخت احکام بھی نافذ کر دئے جاتے ہیں۔ یہود پر سخت احکام کی بنیادی وعلت ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز تھا۔علامہ رازی نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

"ثم انه تعالى بين ما هو كا لعلة الموجبة لهذه التشديدات"۔ (30)

علامہ رازی مزید لکھتے ہیں:

"یہ گناہ دو طرح کے ہیں ایک مخلوق خدا پر ظلم اور دوسرا دین حق سے اعراض۔ مخلوق خدا پر ظلم کو ۔۔"بصد هم عن سبيل الله" سے بیان کیا گیا،مزید برآں ان یہودیوں میں مال کی حرص ولالچ بہت زیادہ تھی بعض اوقات بذریعہ ء سود مال حاصل کرتے حالانکہ انہیں ایسا کرنے سے روکا گیا تھا،اور بعض اوقات رشوت سے مال بٹورتے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے :"واكلهم اموال الناس بالباطل" اور اسی کی مثل یہ ارشاد بھی ہے :"سماعون للكذب اكلون للسحت" چنانچہ یہ چار وہ گناہ ہیں جو ان پر دنیا وآخرت میں سختی کا موجب بنے،دنیا میں سختی تو یہ تھی کہ ان پر پاکیزہ چیزیں بھی حرام قرار دے دی گئی اور آخرت میں عذاب اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ :واعتدنا للكافرين منهم عذابا اليما" (31)

ان کے علاوہ اور چیزوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے جو بنی اسرائیل پر سختی سے نافذ کی گئی تھیں جیسے۔

"كقطع موضع النجاسة من الثوب او منه و من البدن و احراق الغنائم و تحريم السبت و قطع الاعضاء والخاطئة وتعين القصاص فى العمد والخطاء من غير شرع الدية فانه وان لم يكن مامورا به فى الالواح الا انه شرع بعد تشديد ا عليهم على ما قيل ۔" (32)

"جیسا کہ کپڑے اور بدن سے نجاست والی جگہ کا کاٹ دینا،مال غنیمت کو آگ لگا دینا،ہفتے کے دن کی تحریم،گناہ کرنے والے عضو کو کاٹ دینا، قتل خطاء و عمد ہر دو میں قصاص کا نافذ ہونا اور دیت کی اجازت کا نہ ہونا،اگرچہ (تورات کی) الواح میں یہ حکم نہیں بلکہ بعد میں ان یہودیوں پر سختی کرتے ہوئے یہ احکام نافذ کیے گیے"۔

تبیان القرآن میں کچھ مزید چیزوں کا تذکرہ ہے:

"حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی کہ ابو موسی ایک بوتل میں پیشاب کر رہے تھے ۔انہوں نے کہا بنو اسرائیل کو جب پیشاب لگ جاتا تو وہ اس جگہ کو کاٹ دیتے تھے، (مسند احمد) امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ان میں سے جب کوئی گناہ کرتا تو وہ اس کے گھر

کے دروازے پر لکھ دیا جاتا تھا کہ تمہاری توبہ یہ ہے کہ تم اپنے اہل اور مال کے ساتھ گھر سے نکل کر دشمن کے مقابلے کو جاؤ حتی کہ تم سب کو موت آجائے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم) مال غنیمت ان پر حلال نہیں تھا، اس کو ایک آگ آکر جلا دیتی تھی، ہفتہ کے دن شکار کرنا ممنوع تھا، گنہگار عضو کو کاٹنا لازم تھا، قتل خطا ہو یا قتل عمد اس میں قصاص لازم تھا، دیت مشروع نہ تھی، تیمّم کی سہولت نہ تھی، مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔" (33)

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل پر پہلے بہت آسانیاں تھیں یہاں تک کہ حضرت موسی کے نکالے ہوئے چشموں سے پانی پینا اور من وسلوی سے سامانِ کام و دہن کرنا اور ان نورانی نعمتوں سے لطف اٹھانا۔ مگر جب ان کی سرکشی بڑھی اور حالات تبدیل ہوئے تو انہیں سبق سکھانے اور راہ راست پر لانے کے لیے احکامات کو سخت کر دیا گیا بہت ساری چیزیں انہیں چھوڑنا پڑیں، بچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے کو قتل کیا ، من وسلوی جیسی نعمت ہاتھ سے گئی، اور دیگر وہ بہت سارے سخت احکام اپنانا پڑے جن کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا احکام کی تنفیذ میں حالات وزمانہ اور قرائن واحوال کو مد نظر رکھنا یہ سنت الٰہی ہے اور ہر دور میں کارفرما رہی ہے۔

شریعت عیسوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

حضرت موسی علیہ السلام کی شریعت میں جن سختیوں کا تذکرہ ہوا، حضرت عیسی کی شریعت میں انہیں کم کیا گیا۔ بہت سارے سخت احکام کو منسوخ کر دیا گیا۔ قرآن مجید نے حضرت عیسی کے فرمان کو یوں ذکر فرمایا ہے:

﴿وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾ (34)

"اور تاکہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی تھیں تم پر"۔

"ان الله تعالى كان قد حرم عليهم بعض الاشياء عقوبة لهم على بعض ما صدر عنهم من الجنايات ---ثم بقى ذلك التحريم مستمرا على اليهود فجاء عيسى ورفع عنهم تلك التشديد ات ' (35)

"اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو سزا دینے کے لیے بعض چیزیں حرام فرمادی تھیں پھر یہ تحریم یہود پر جاری رہی۔ پھر حضرت عیسی علیہ السلام تشریف لائے اور ان سے ان مشکل احکام کو ختم فرمادیا۔ "

کیا حضرت عیسی نے شریعت موسی کو مکمل طور پر منسوخ کر دیا تھا یا بعض احکام منسوخ ہوئے تھے اور حضرت عیسی اپنی مستقل شریعت رکھتے تھے؟ اس حوالے سے درج ذیل عبارت راہنمائی کرتی ہے:

"وہب ابن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام حضرت موسی کی شریعت پر تھے۔ وہ ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے۔ انہوں نے بنی اسرائیل

سے کہا کہ میں تم کو تورات کی کسی بات کی مخالفت کی دعوت نہیں دیتا۔البتہ بعض چیزیں جو تورات میں حرام کر دی گئیں میں ان کو حلال کرتا ہوں اور بعض مشکل احکام کو منسوخ کرتا ہوں۔علامہ ابو الحیان لکھتے ہیں: ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے ان کے لیے اونٹ کا گوشت اور چربی کو حلال کر دیا اور کئی قسم کی مچھلیاں حلال کر دیں اور جس پرندے پر نشانات نہ ہوں ان کو حلال کر دیا" (36)

موجودہ انجیل بھی کچھ ایسے احکام کو بیان کرتی ہے جنہیں حضرت عیسی علیہ السلام نے تبدیل فرمایا مثلاًملاحظہ ہو:
"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لینے دے۔اور اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا" (37)

یہ تو انجیل متی کا بیان تھا جبکہ اگر تورات کی کتاب الاستثناء کو دیکھا جائے اس میں اس کے برعکس نہایت سخت حکم نظر آتا ہے۔ملاحظہ ہو:

"جب تو کسی شہر کو جنگ کرنے اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگزار بن کر تیری خدمت کریں اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا۔" (38)

کچھ دیگر احکام بھی کتب میں موجود ہیں جو شریعت موسوی میں نافذ تھے اور شریعت عیسوی نے ان کو تبدیل کر کے دیگر احکام جاری فرمادیے۔مثلاً

(ا)قیل کان فی شریعة موسی جواز النکاح للرجل بلاحصر رعایة لمصلحة الرجال و فی شریعة عیسی لا یجوز الزیادة علی واحدة رعایة لمصلحة النساء" (39)

حضرت موسی علیہ السلام کی شریعت میں مرد کے لیے، مردوں کی مصلحت کا خیال رکھتے ہوئے بغیر کسی شمار کے نکاح کرنا جائز تھا۔جبکہ حضرت عیسی کی شریعت میں عورتوں کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک نکاح سے زیادہ کی اجازت نہ تھی۔

(۲) اسی طرح طلاق یافتہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی شریعت موسی میں رخصت تھی جبکہ شریعت عیسی میں ممانعت قرار دے دی گئی۔کتاب الاستثناء میں ہے :

"اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے اور پیچھے اس میں کوئی بے ہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف اس کا التفات نہ رہے تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالہ کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے اور جب وہ اس کے گھر سے نکل جائے تو وہ دوسرے مرد کی ہو سکتی ہے۔" (40)

لیکن انجیل متی میں ہے کہ اس بات کا سختی سے حکم دیا جائے گا کہ سوائے زنا کے کسی اور وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق نہ دے اور جو اس بناپر طلاق دے دے تو اس طلاق یافتہ خاتون سے کوئی دوبارہ نکاح نہ کرے:

"یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے۔اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔" (41)

چنانچہ حضرت عیسی علیہ السلام سے فریسیوں نے سوال کیے اور حضرت موسی کے ارشاد کی طرف توجہ دلائی کہ انہوں نے تو کچھ اور کہا تھا اور آپ کچھ اور فرمارہے ہیں۔ تو حضرت عیسی نے اس وقت کے لوگوں کی حالت اور کیفیت کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس وقت کے احوال اسی حکم کا تقاضا کر رہے تھے۔انجیل متی میں ہے:

"انہوں نے اس سے کہا کہ موسی نے کیوں حکم دیا ہے کہ طلاق نامہ دے کر چھوڑ دی جائے اس نے کہا کہ موسی نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تم کو اپنی بیویاں چھوڑنے کی اجازت دی مگر ابتدا سے ایسا نہ تھا۔" (42)

مذکورہ بالا عبارات سے پتا چلا کہ پہلے حکم یہ تھا کہ طلاق نہیں دے سکتا مگر بنی اسرائیل کی سخت دلی کی بناء پر کسی بھی وجہ سے طلاق دینے کی اجازت دے دی۔ لیکن بعد میں حضرت عیسی نے پھر اس حکم کو تبدیل فرمادیا اور ایسا کرنے والے کو زنا کرنے والے سے تعبیر کیا۔ گویا حالات کی بناء پر پہلے حضرت موسی نے حکم میں تبدیلی کی اور جب حضرت عیسی نے محسوس کیا کہ وہ حالات نہیں رہے تو انہوں نے اس میں پھر تبدیلی کر دی۔ اور بغیر زنا کی مجبوری کے طلاق دینے کی نہ صرف ممانعت فرمادی بلکہ ایسا کرنے کو زنا کروانے سے تعبیر کیا۔

(۳) شریعت موسی علیہ السلام میں جھوٹی قسم کھانے کی ممانعت کی گئی تھی جبکہ شریعت عیسوی میں مطلقاً قسم کھانا ہی ممنوع قرار دے دیا گیا۔انجیل متی میں ہے:۔

"پھر تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جھوٹی قسم نہ کھانا بلکہ قسمیں خداوند کے لیے پوری کرنا لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ بالکل قسم نہ کھانا۔نہ تو آسمان کی کیونکہ وہ خدا کا تخت ہے،نہ زمین کی کیونکہ وہ اس کے پاؤں کی چوکی ہے،نہ یروشلم کی کیونکہ وہ بزرگ بادشاہ کا شہر ہے نہ اپنے سر کی قسم کھانا کیونکہ تو ایک بال کو بھی سفید یا کالا نہیں کر سکتا بلکہ تمہارا کلام ہاں ہاں یا نہیں نہیں ہو۔کیونکہ جو اس سے زیادہ ہے وہ بدی ہے۔" (43)

(۴)انجیل متی میں چند اورایسی آیات بھی ملتی ہیں جو پہلی شریعتوں کے حکم میں کی گئی تبدیلی کو واضح طور پر بیان کر رہی ہیں۔انجیل متی ہی میں ہے :۔

''تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہو گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہو گا اور جو اس کو احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہو گا۔'' (44)

(۵) شریعت موسوی اور عیسوی میں قصاص او ردیت کے قوانین میں بھی اختلاف کا تذکرہ ملتا ہے کہ :

''كان فی شريعة موسى تحتم القود و فی شريعة عيسى تحتم الدية '' (45)

''یعنی حضرت موسی کی شریعت میں حتمی طور پر قاتل سے قصاص ہی لیا جاتا جبکہ حضرت عیسی کی شریعت میں لازمی طور پر دیت ہی وصول کی جاتی''۔

انجیل متی میں ایک اور جگہ ہے :۔

''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے'' (46)

اسی باب کی آیت نمبر ۴۳اور ۴۴ میں ہے

''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمن سے عدوات ۔لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے سے محبت رکھواور اپنے ستانے والوں کے لیے دعا کرو۔'' (47)

شرائع سابقہ میں مذکور چند دیگر احکام :

(۱)اسلام نے شراب کی حرامت کو بیان کیا، جبکہ اس سے پہلے مباح تھی ،اور عرب کا رواج تھا بلکہ شراب تو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ شرائع سابقہ میں اس کے حلال ہونے کا تذکرہ ملتا ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ شراب ان حالات میں مباح تھی اور قرآن نے آکر اس کو حرام قرار دیا۔علامہ عبدالمصطفیٰ بحوالہ عمدۃالقاری پہلے شراب کے مباح ہونے اور پھر حرام ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی لکھتے ہیں : نشہ آور مشروبات کی تحریم بالکل واضح ہے کیونکہ یہ عقل کو زائل کر دیتی ہے جس سے خطاب الٰہی متعلق ہوتا ہے اور جس پر احکام کا مکلّف ہونا موقوف ہے البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر شرائع سابقہ میں شراب کو کیوں حلال قرار دیا گیا اس کا جواب یہ

ہے کہ گزشتہ امتوں کی عمریں بہت لمبی تھیں اور ان کے اجسام بہت مضبوط تھے ان کے جسموں میں ایسی قوتِ مدافعت رکھی گئی تھی جو شراب کی خرابیوں کا توڑ کر لیتی تھی۔اس کے برخلاف اس امت کی عمریں کم ہیں اور اجسام کمزور ہیں اس وجہ سے وہ شراب کی فتنہ انگیزیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے ان کی بھلائی اسی میں تھی کہ شراب ان پر کلیۃً حرام کر دی جائے اور ابتدائے اسلام میں شراب کو حرام نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ لوگ شراب کی خرابیوں کا خود مشاہدہ کر لیں ،دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام نے احکام تدریجا نازل کیے تاکہ لوگوں پر ان کا عمل کرنا دشوار نہ ہو"۔ (48)

(۲)مفطرات ثلاثہ سے رکنے کا نام روزہ کہلاتا ہے ،اور اسی طرح کا روزہ پہلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا، لیکن قرآن مجید نے ایک اور روزے کا بھی ذکر کیا ہے جسے "خاموشی کا روزہ" قرار دیا گیا ہے۔حضرت عیسی علیہ السلام کی جب پیدائش ہوئی تو سیدہ مریم علیہا السلام اس پر غمگین تھیں کہ لوگ کہیں گے کہ بغیر باپ کے بچہ کیسے ہو سکتا ہے۔تو اللہ تعالی کی طرف سے یہ حکم ملا کہ :

﴿فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا﴾ (49)

(میٹھے میٹھے خرمے) کھاؤاور ٹھنڈا پانی پیو اور (اپنے فرزند دلبند کو دیکھ کر)آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر تم دیکھو کسی آدمی کو تو (اشارہ سے اسے) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمٰن کی لیے (خاموشی کے) روزہ کی۔پس آج میں کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی۔

چنانچہ حضرت مریم نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ میں نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے اور یہ روزہ بھی ما قبل شرائع کا خاصہ تھا،علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

"قال بعضهم المراد به الصوم عن المفطرات المعلومة و عن الكلام و كانو لا يتكلمون فى صيامهم و كان قربة فى دينهم فيصح نذره وقد نهى النبى ﷺعنه فهو منسوخ فى شرعنا كما ذ كره الجصاص فى كتاب الاحكام"(50)

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مفطرات معلومہ (کھانے ،پینے ،جماع)اور کلام سے رکنا ہے ،وہ لوگ اپنے روزوں میں کلام نہیں کرتے تھے .اور یہ ان کے دین میں باعث ثواب ہوتا تھا اس لیے اس کی نذر ماننا بھی صحیح تھا جبکہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمادیا لہٰذا یہ ہماری شریعت میں منسوخ ہو گیا جیساکہ علامہ جصّاص نے احکام القرآن میں ذکر فرمایا ہے۔

(۳) ماقبل شریعتوں میں مال غنیمت کا استعمال بھی ممنوع اور حرام قرار دیا گیا جبکہ امت محمدیہ کے لیے اس کو حلال قرار دے دیا گیا جبکہ خزانہ جمع کرنا ماقبل شرائع میں حلال تھا اور امت محمدیہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا جیسا کہ علامہ آلوسی رقمطراز ہیں۔

"عن ابی الدرداء فی هذه الاية قال احلت لهم الكنوز و حرمت عليهم الغنائم واحلت لنا الغنائم وحرمت علينا الكنوز" [51]

(۴) شریعت محمدیہ میں خاتون کے حق مہر پر اس کا اپنا حق ہوتا ہے اور وہی اس کی مالک بھی۔ لیکن قرآن نے حضرت شعیب علیہ السلام کے تذکرہ میں بیان کیا کہ حضرت موسی آٹھ سال یا دس سال ان کی خدمت کریں تو وہ اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دیں گے:

﴿قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ﴾ [52]

"آپ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمہیں ایک ان دو بچیوں سے بشرطیکہ تو میری خدمت کرے آٹھ سال تک پھر اگر پورے کرو دس سال تو تمہاری مرضی۔"

اس آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کے نکاح کی شرط یہ لگائی کہ حضرت موسی آٹھ سال اور پھر مزید دو سال حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے کام کریں، نہ کہ ان کی بیٹی کے لیے جن کا نکاح حضرت موسی سے طے پایا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ماقبل شرائع میں یہ حکم بھی رہا ہے کہ مہر لڑکی کی بجائے لڑکی کے اولیاء کے لیے ہو۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

"ان الصداق كان فی شرع من قبلنا للاولياء بدليل قوله انی اريد ان انكحک احد ابنتی ثم نسخ فصار ذلک عطية ا قتطعت لهن فسمی نحلة" [53]

مذکورہ بالا دلائل اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ اللہ جل مجدہ نے انبیاء کرام کو مختلف احوال میں مختلف احکام عطا فرمائے، بعد میں آنے والے نبی ماقبل شریعت میں تبدیلی کرتے رہے، اور بعض اوقات ایک ہی شریعت میں مختلف مسائل میں تبدیلی آتی رہی جسے علمی اصطلاح میں نسخ کا نام دیا جاتا ہے۔ چونکہ انسانی طبائع اور معاشرتی احوال میں تبدیلی ایک لابدی امر ہے لہٰذا اسی طرح شرعی مسائل میں ان احوال اور زمانہ کی کیفیات کی رعایت بھی لازمی امر ہے۔ اللہ تعالی انسان کو پیدا فرمانے والا ہے اور انبیاء کو احکامات عطا فرما کے مبعوث کرنے والا بھی وہی ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ احوال کے بدلنے سے مسائل تبدیل ہوتے رہے۔ یہی حکمت الہی کا تقاضا ہے. اور اسی میں انسان کی فلاح کا راز ہے اسی لیے تو "تکلیف مالا یطاق" کو درست قرار نہیں دیا گیا۔ چونکہ شریعت اسلامیہ، ابدیت اور آفاقیت جیسے اوصاف کی حامل ہے اس لیے اس کے احکام میں وسعت و یسر اور لچک رکھی گئی ہے تاکہ ہر آنے والے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ رہے۔ وارثان محراب و منبر کے ساتھ مسند علم و ارشاد پر متمکن لوگوں کو پیش آمدہ مسائل میں امت اور انسانیت

کو بند گلی میں دھکیلنے کی بجائے شریعت اسلامیہ کے وسعت و یسر، توازن و اعتدال اور لچک جیسے روشن پہلوؤں سے کسب فیض کرتے ہوئے کشادہ راہوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ النحاس، احمد بن محمد، م ۳۳۸ھ: الناسخ والمنسوخ، مکتبۃ الفلاح الکویت، ط ۱۴۰۸ھ، ص ۶۲

2۔ ابوحیان، محمد بن یوسف، م ۷۵۴: البحر المحیط، دار الفکر، بیروت، ط ۲۰۰۵، ج ۳، ص ۱۹۷

3۔ السمرقندی، محمد بن احمد، ابواللیث، م ۳۷۳: بحر العلوم، دار الفکر، بیروت، ط ۱۹۹۶، ج ۱، ص ۵۲۶

4۔ الکردی، احمد الحجی، بحوث فی علم اصول الفقہ، المکتبۃ الشاملۃ، ص ۱۲۶

5۔ البخاری، عبد العزیز بن احمد، م ۷۳۰ھ: کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، دار الکتاب الاسلامی، بیروت، س ن، ج ۳، ص ۱۵۹

6۔ الطبری، محمد بن جریر، م ۳۱۰ھ: جامع البیان، دار الفکر، بیروت، ط ۱۹۸۸، ج ۴، ص ۱۸۸

7۔ کتاب مقدس، الاحبار، ۱۰/۱۸، ص، ۱۱۱، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور، ۱۹۸۳ء

8۔ ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل، م ۷۷۴ھ: تفسیر القرآن العظیم، جمیعۃ احیاء التراث الاسلامی، الکویت، ط ۱۹۹۲ء، ج ۱، ص ۴۱۰

9۔ سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۰۱ تا ۱۰۷

10۔ ابن کثیر۔ عماد الدین اسماعیل: تفسیر القرآن العظیم، ج ۱، ص ۴۱۰

11۔ آلوسی، شہاب الدین، محمود، م ۱۲۷۰ھ: روح المعانی، مکتبہ امدادیہ، ملتان، س ن، ج ۳، ص ۲۶۱

12۔ الصالحی، محمد بن یوسف، م ۹۴۲: سبل الھدی والرشاد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۲۰۰۷، ج ۱، ص ۲۸۴

13۔ سورۃ یوسف ۱۲: ۱۸، ۱۷، ۱۶

14۔ ابوحیان، محمد بن یوسف، البحر المحیط، ج ۶، ص ۲۵۰

15۔ ابن العربی، محمد بن عبداللہ م ۵۴۳ھ: احکام القرآن، المکتبۃ التوفیقیۃ، مصر، س ن، ج ۳، ص ۴۴

16۔ سورۃ یوسف ۱۲: ۷۵

17۔ سعیدی، غلام رسول، م ۲۰۱۶ء: تبیان القرآن، فرید بک سٹال لاہور، ط ۲۰۰۱ء، ج ۵، ص ۸۲۳

18۔ آلوسی، شہاب الدین، محمود: روح المعانی، ج ۴، ص ۱۳۴

19۔ ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل: تفسیر القرآن العظیم، ج ۲، ص ۵۳۲

20۔ سورۃ یوسف ۱۲: ۲۸، ۲۷، ۲۶

21۔ الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، م ۶۰۴: مفاتیح الغیب، دار الفکر بیروت، ط، ۱۹۹۰ء، ج ۱۸، ص ۱۲۵

22۔ ابن العربی، محمد بن عبداللہ، ج، ۳، ص ۴۴

23۔ سورۃ یوسف ۱۲: ۴۷

24۔ القرطبی، محمد بن احمد، انصاری م ۶۶۸ھ: الجامع لاحکام القرآن، دار الکتاب العربی، بیروت، س ن، ج ۹، ص ۱۷۳

25۔ سورۃ آل عمران ۳: ۹۳
26۔ کتاب مقدس، الاحبار، باب ۱۱، ص ۱۰۲تا ۱۰۴
27۔ ایضاً، باب، ۱۸، ص ۱۱۲
28۔ سورۃ النساء ۴ : ۱۶۰
29۔ سورۃ الانعام ۶ : ۱۴۶
30۔ الرازی، فخر الدین، محمد بن عمر: مفاتیح الغیب، ج ۱۱، ص ۱۰۷
31۔ ایضاً
32۔ آلوسی، شہاب الدین، محمود، روح المعانی، ج ۵، ص ۸۱
33۔ سعیدی، غلام رسول: تبیان القرآن، ج ۴، ص ۳۷۸
34۔ سورۃ آل عمران ۳: ۵۰
35۔ ابن عادل، عمر بن علی، م ۸۸۰ھ: اللباب فی علوم الکتاب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط ۱۹۹۸ء، ج ۵، ص ۲۵۴
36۔۔ سعیدی، غلام رسول، علامہ: تبیان القرآن، فرید بک سٹال، لاہور، ج ۲، ص ۱۷۸
37۔ کتاب مقدس، انجیل متی، ۵، ۳۸، ۳۹، بائبل سوسائٹی، لاہور، ص ۸
38۔ کتاب مقدس، استثناء، ۲۰/ ۱۱، ۱۲
39۔ القلیوبی، احمد سلامہ م ۱۰۶۹ھ واحمد البرسلی عمیرہ م ۹۵۷ : حاشیتا قلیوجی و عمیرہ، دار الفکر بیروت، ط ۱۹۹۵ء، ج ۳، ص ۲۴۶
40۔ کتاب مقدس، استثناء، ۲۴/ ۱، ۲
41۔ کتاب مقدس، انجیل متی، ۵/ ۳۲، ۳۱
42۔ ایضاً، متی، ۱۹/ ۸
43۔ ایضاً، ۵/ ۳۳، ۳۷
44۔ کتاب مقدس، انجیل متی، ۲۱، ۲۲
45۔ حاشیتا قلیوجی و عمیرہ، ج ۴، ص ۱۲۷
46۔ کتاب مقدس، انجیل متی، ۲۸، ۲۷، ۲۹
47۔ ایضاً
48۔ القادری، عبد المصطفیٰ محمد مجاہد: انبیاء کرام اور ان کے احوال، اکبر بک سیلرز لاہور، ط ۲۰۱۴، ج ۳، ص ۱۷۵
49۔ سورۃ مریم ۱۹: ۲۶
50۔ آلوسی، شہاب الدین، محمود: روح المعانی، ج ۹، ص ۸۶
51۔ ایضاً، ص ۱۳، ج ۹
52۔ سورۃ القصص ۲۸ : ۲۸، ۲۷
53۔ آلوسی، شہاب الدین، محمود، روح المعانی، ج ۳، ص ۸۸